گذشتہ سے پیوستہ

آغاز کار

خطیب پاکستان مولانا حسن ظفر نقوی اجتہادی صاحب

گذشتہ مضمون میں ان چار عفریتوں کا مختصر تعارف کرایا گیا جو تاریخی طور پر تو قدیم ہیں مگر سامراج نے انہیں جدید خطوط پر منظم کر کے ہمارے معاشرے پر اس طرح مسلط کر دیا ہے جیسے آکٹوپس (ہشت پا) سمندر کی کمزور مخلوق کو جکڑ کر بے بس کر دیتا ہے۔

انسانیت کے یہ دشمن اس سے کہیں زیادہ خطرناک، زہریلے، خوں آشام اور مضبوط ہیں جتنا گذشتہ سطور میں بیان کیا گیا ہے پس ان سے مقابلہ کے لئے بھی ایک طویل اور منظم جد و جہد کی ضرورت ہے۔

اس موقع پر یہ یاد دہانی ضروری ہے کہ ظلم کی جڑیں کاٹنے کے لئے کبھی بھی ظلم کا ہتھیار استعمال نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس کا نتیجہ ایک ظلم کے بعد دوسرے ظلم کے دور کا آغاز ہوگا بلکہ ظلم کو مٹانے کے لیے مظلومیت ہی کے ہتھیار کو استعمال کرنا پڑے گا اور یہ بات طے ہے کہ ظالم کے ہاتھوں ظلم کی چکی میں پسنے والے افراد کی تعداد کہیں زیادہ بلکہ بہت زیادہ ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ظالم بنیادی طور پر بزدل واقع ہوتا ہے۔

ہمارا پہلا کام یہ ہونا چاہئے کہ سادہ اور جہالت کے شکار لوگوں میں علم و آگہی پیدا کریں یعنی پہلا مرحلہ جہاد باللسان اور جہاد بالقلم ہے۔ یقیناً ہمارے معاشرے میں ایسا باضمیر دانشور طبقہ وجود رکھتا ہے جس کے دل میں مذہب وملت کی تڑپ موجود ہے اور جو مذہب وملت کی زبوں حالی پر رنجیدہ بھی ہے اور کوئی حل بھی چاہتا ہے۔

ہمیں ایسے ہی باضمیر علماء، خطباء، ادباء، شعراء اور دیگر نمائندہ طبقات پر مشتمل ایک تربیت یافتہ گروہ تیار کرنا پڑے گا جو اچھی طرح اس بات کو سمجھ لے کہ ''زندگی ایک عقیدہ اور اس کی خاطر جہاد کا نام ہے'' ابتدا میں یہ کام مشکل نظر آتا ہے لیکن جب ہم اپنے آگے صفر لگا ہی چکے ہیں تو پھر کوئی پرواہ نہیں۔ ہر قدم آگے ہی شمار ہوگا چاہے کتنی ہی سست رفتاری سے کیوں نہ بڑھ رہا ہو۔

یہ گروہ اپنی تحریروں، اپنے اشعار، اپنے زور بیان اور علمی صلاحیتوں کو صرف اور صرف مظلوم انسانوں کو ظالم دشمن کی شناخت کرانے اور انہیں یکجا کرنے پر صرف کر دے۔ مظلوم لوگوں کا متحد ہونا خود ایک انقلاب کی علامت ہے، قوموں کے اجتماعی فیصلے ہمیشہ درست ہوتے ہیں۔ ایسے مرحلوں میں طبیعت تشدد کی طرف مائل ہوتی ہے لیکن ہمیں اپنے جوانوں کو تشدد سے روکنا ہے۔ یہ جوان نسل اس لئے نہیں ہے کہ اسے تشدد اور قتل و غارت گری کے راستے پر ڈال کر انسانیت کو مزید تباہی سے ہمکنار کرنے میں ہاتھ بٹایا جائے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ بوقت ضرورت دفاع کا حق دنیا کا ہر مذہب اور قانون ہمیں دیتا ہے۔

ہر وقت دھیان رہے کہ ہم نے حالات کو بہتر کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے نہ کہ خراب تر کرنے کا، ہمیں عوام کی قطعی اکثریت کو انقلاب کے راستے پر ڈالنا ہے۔ جب عوامی سیلاب امڈ پڑے گا تو وہ ایک فطری مبارزے کی طرف بڑھے گا اور وہ عوامی ریلا اصل دشمنوں کو غرق کر دے گا۔ ہمارا راستہ انبیاء کا راستہ ہونا چاہئے، ہماری تحریک پوری طرح رسول اکرمؐ کی تحریک میں ڈوبی ہوئی ہونی چاہئے جہاں

دفاعی حکمت عملی بھی اس طرح اختیار کی جاتی ہے جس میں ظلم وتعدی کا ذرا بھی امکان نہ رہ جائے، اس کے لئے بڑے ہی حوصلے، شجاعت اور صبر کی ضرورت ہے۔ ائمہ طاہرینؑ کی زندگی اور سیرت سے مکمل آگہی ہی ہمیں یہ بصیرت عطا کرسکتی ہے۔

ایسے افراد کا راسخ العقیدہ ہونا اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ مچھلی کی حیات کے لیے پانی، خدا پر ایمان اس کی وحدانیت اور کبریائی پر یقین کامل، اس کے نظام عدل پر اطمینان و اعتبار، پیغمبر ختمی مرتبتؐ اور انبیاء ماسلف کی تصدیق اور دل میں ان کی محبت، ائمہ طاہرین کا عشق اور انہیں کے راستے پر گامزن رہنے کا عزم نیز روز جزا پر ایسا یقین گویا جنت اور جہنم کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کررہے ہوں۔

یہ سب زبانی کلامی جمع خرچ نہ ہو بلکہ ان کا ایک ایک عمل ان کے عقیدے کی پختگی کی گواہی دے۔ ایسے افراد سے پروردگار کا وعدہ ہے کہ: ''ان تنصروا اللّٰہ ینصرکم ویثبت اقدامکم''

(سورۂ محمد آیت ۷)

تم خدا کے دین کی نصرت کرو خدا تمہاری مدد کرے گا تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔

جب ہم انبیاء اور ائمہ طاہرین کے راستے پر گامزن ہونے کی بات کررہے ہیں تو پھر ہمیں اپنی فکر کا دائرہ بھی بڑھانا ہوگا، آفاقی فکر پیدا کرنی ہوگی، ہمیں فرقہ اور مکتب سے بالاتر ہوکر اسلام محمدی کی تصویر اجاگر کرنا ہوگی۔

نجات اور رہائی کسی ایک گروہ کی نہیں بلکہ بلکتی اور سسکتی انسانیت کے ہر گروہ اور ہر مکتب کی، کیونکہ ہر مسلک میں ظلم کے مارے اور مصیبت زدہ انسان موجود ہیں۔ مسلک انبیاء اور ائمہ یہ ہے کہ خدا کی مخلوق کی بات کرو، تمام انسانوں کی بات کرو یہی اسلام ہے، یہی دین ہے، یہی وہ راستہ ہے جو دشوار گذار اور پرخطر ہے، لیکن ہمیں اس پر قدم رکھنا ہوگا۔

خوف اور دہشت کے ماحول میں زندگی بسر کرنے والے یہ انسان کسی نجات دہندہ کا راستہ دیکھ رہے ہیں۔ سیاسی اور مذہبی لبادے میں چھپے ہوئے بچھوؤں کے ڈنک خوردہ یہ لوگ اپنے زخموں کے مرہم کی تلاش میں ہیں۔ یہ کمزور اور ضعیف انسان سوائے انتظار کے اور کیا کرسکتے ہیں ان میں تو اتنی قوت اور سکت بھی نہیں کہ یہ بھیڑیوں کے اس جنگل سے کہیں اور ہجرت کر جائیں۔

ہم بھی انتظار کررہے ہیں اس کا جس کا خدا نے وعدہ کیا ہے، جس کی بشارت رسولؐ اکرم نے دی ہے۔ مگر کیا صرف ہاتھ پہ ہاتھ دھرے انتظار کرتے رہیں یا اس آنے والے کے لیے زمین ہموار کریں۔ اندھیری رات میں ادھر ادھر ٹھوکریں کھاتے رہیں یا دیئے پر دیئے پر جلاتے رہیں۔ یقینا ان لوگوں پر دیئے جلانا واجب ہے جو فلسفۂ انتظار سے آشنا ہیں اور خدا نے انہیں سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں سے مالا مال کیا ہے۔

عام حالات میں بلند و بانگ دعوے سبھی کرتے ہیں لیکن دعوؤں کی حقیقت اس وقت عیاں ہوتی ہے جب مشکل حالات درپیش ہوتے ہیں۔ بقول شہید مصطفی چمران کے ''جب نقارۂ جنگ پر چوٹ پڑتی ہے تو بہادر و بزدل میں تمیز و تشخیص ہوجاتی ہے'' میدان امتحان میں معلوم ہوتا ہے کہ کون اپنے قول میں سچا ہے اور کون صرف شیخیاں بگھارنے والا۔ انسان کی صلاحیتوں کا امتحان بحرانی حالات میں ہوتا ہے جو بحران کے دوران اپنے اعصاب پر قابو رکھے، حواس کو اپنے کنٹرول میں رکھے اور مردانہ وار میدان عمل میں اتر آئے انہی لوگوں کے لئے کلام الٰہی میں ارشاد ہورہا ہے کہ:

''من المومنين رجال صدقوا ما عاهدوا الله عليه فمنهم من قضیٰ نحبه و منهم من ينتظر و ما بدّلوا تبديلا''

(سورہ احزاب آیت ۲۳)

ترجمہ: مومنین میں کچھ مرد ایسے ہیں جو خدا سے کئے ہوئے اپنے عہد کو پورا کر کے دکھاتے ہیں ان میں سے کچھ (یہ عہد پورا کر کے) جا چکے ہیں اور کچھ اپنی باری کا انتظار کر رہے ہیں اور اس (طریقے) میں کوئی تبدیلی آنے والی نہیں ہے۔

آج ایسے ہی حالات کا سامنا ہے کہ مردان خدا کو اپنا عہد پورا کرنا ہے، تاریخ رقم کرنا ہے، وقت کے دھارے کو موڑنا ہے اور بکھری ہوئی قوت کو یکجا کرنا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ افراد کی قلت ہے بلکہ ایک ایسے مرکز کی ضرورت ہے جہاں اس منتشر قوت کو جمع کیا جا سکے۔

زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جہاں با ایمان اور اہل فکر ونظر افراد موجود نہ ہوں۔ یہ سب اپنی اپنی جگہ پریشان ہیں کہ کیا کیا جائے اور کیسے کیا جائے اور پھر ان کی نظریں علماء کی طرف اٹھتی ہیں کیونکہ یہی وہ صنف ہے جو قوم کو منجدھار سے نکال سکتی ہے۔ لیکن کم از کم موجودہ صورتحال یہ ہے کہ دوسروں سے بہتر ہونے کے باوجود ان میں بھی ایسے افراد کی کمی ہے جو عصری تقاضوں اور جدید مسائل سے فکری طور پر مکمل ہم آہنگی رکھتے ہوں۔ بہت ہی معذرت کے ساتھ دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض جگہوں پر تو بعض افراد دین کی بنیادی ضرورتوں سے بھی ناآشنا ہیں۔ ان کے پاس ملت کو دینے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے بلکہ یہ تو ملت کے پاس جو کچھ ہے اسے بھی سمیٹنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں۔

یقینا چند مخلص اور درددل رکھنے والے علماء ضرور ہیں جو اپنے تئیں زخموں پر مرہم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں ان میں قلیل تعداد ایسے علماء کی بھی ہے جن کی مسائل پر پوری طرح نظر ہے وہ سازشوں کو بھی دیکھ رہے ہیں اور سمجھ بھی رہے ہیں مگر ان کی آواز میں اتنی قوت نہیں ہے کہ ملت ان کے پیچھے چلے۔ دراصل تقدس کے لبادے میں علماء کے مقام کو کچھ دنیادار ملاؤں نے اس طرح تباہ کیا ہے اور علماء کے اعتبار کو اس بری طرح ٹھیس پہنچائی ہے کہ اب لوگوں کی نظر میں ہر عالم مشکوک ہو گیا ہے اور وہ اس میں حق بجانب بھی ہیں کیونکہ ان کے پاس حقیقی اور گندم نما جو فروش علمائے سو کو پرکھنے کی میزان نہیں ہے۔

جب قیادت اور رہبری بازاری پن پر اتر آئے اور اپنی حرکات سے ملت کا اعتماد کھو بیٹھے تو پھر فطری ردعمل یہ ہوتا ہے کہ گلی گلی قیادتیں بننے لگتی ہیں اور وہ منصب جو قوم کے عزت و وقار کی علامت ہوتا ہے شرمندگی کا باعث بن جاتا ہے۔ یہ افسوس ناک صورت حال صرف ہمارے ہاں ہی نہیں بلکہ ہم سے زیادہ دوسرے مکاتب فکر میں موجود ہے۔ لیکن یہ بات ہمارے اطمینان کے لئے کافی نہیں بلکہ ہمیں تو پہلے مرحلے میں خود اپنے حالات کی بہتری کی طرف قدم بڑھانا ہے۔

ایسے حالات میں ضروری نہیں اور نہ ہی واجب ہے کہ اسی لباس کو قیادت کے لئے تلاش کیا جائے بلکہ راہ حل یوں بھی ڈھونڈھی جا سکتی ہے کہ ملت و مذہب کے مخلص اور اہل نظر افراد چاہے وہ زندگی کے کسی بھی شعبے سے ہوں مگر اہلیت رکھتے ہوں ان پر مشتمل ایک گروہ آگے بڑھے ان میں ایک شعبہ علماء کا بھی ہو، یہ بہت ضروری ہے کیونکہ جب ہم دیکھ رہے ہیں کہ ایک کثیر تعداد لوگوں کی اپنے آپ کو بالکل علیحدہ کئے ہوئے ہے اور جب ملت کے مسائل سے علیحدگی اختیار کرنے والوں کی اکثریت دانشوروں کی ہے تو ہمیں بھی ان کا اعتماد بحال کرنا ہوگا اور ساری قوم کو قومی دھارے میں شامل کرنا ہوگا۔

ویسے بھی قیادت بنائی نہیں جاتی بلکہ یہ خود ابھر کر سامنے آتی ہے جب ہم سب مل کر آگے بڑھیں گے تو خدا ہماری مدد کرے گا ہماری قوم ابھی بانجھ نہیں ہوئی ہے بلکہ ہمیں حالات کو سازگار کرنے کی ضرورت ہے۔ جونہی ہم ایک صحیح ڈگر پر چل پڑیں گے قدرتی طور پر قیادت ابھرے گی ہمیں کیا معلوم کہ ہمارے گلی کوچوں میں اور ماؤں کی گودیوں میں کیسے کیسے لعل و گہر پل رہے ہیں۔ کچھ وقت بڑی ہمت اور صبر کے ساتھ ایک کٹھن اور مشکل سفر طے کرنا پڑے گا بالآخر ہم اپنے گوہر مقصود کو پالیں گے۔

پہلے طالوت کا لشکر ترتیب دینے کی ضرورت ہے پھر اس لشکر میں کوئی نہ کوئی داؤد نکل ہی آئے گا جو جالوت کو سرنگوں کردے گا۔

بقیہ فضائل رمضان المبارک اور.........................

حضرت موسیٰ نے کوہ طور پر چالیس دن بھوک اور پیاس کے ساتھ گزارے اسی بناء پر یہودیوں میں چالیس دن روزہ رکھنے کا رواج ہے۔

انجیل متی میں حضرت عیسیٰؑ کے روزوں کا ذکر پایا جاتا ہے کہ انہوں نے جنگل میں چالیس دن تک روزہ رکھا آپ اپنی قوم کو روزہ رکھنے کی ہدایت فرماتے تھے اور ان سے کہا کرتے تھے کہ '' جب تم روزہ رکھو تو دکھاوا کرنے والوں کی طرح اپنا چہرہ اداس نہ بنایا کرو کیونکہ وہ اپنا منہ اس لئے بگاڑتے ہیں کہ لوگ انہیں روزہ دار سمجھنے لگیں۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ وہ لوگ اپنا بدلا پاچکے لیکن جب تم روزہ رکھو تو اپنے سر میں تیل لگاؤ اور منہ دھوتا کہ دوسرے لوگوں کے سامنے نہیں بلکہ اپنے باپ کے سامنے جو نگاہوں سے پوشیدہ ہے، روزہ دار ظاہر ہو اور تمہارا باپ جو پوشیدگی میں دیکھتا ہے تم کو ظاہر میں اس کا بدلہ عطا کرے۔''

انجیل متی میں ایک دوسری جگہ لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ بن مریمؑ سے ان کے شاگردوں نے دریافت کیا کہ ہم خراب اور پلید روحوں کو اپنے نفس سے کس طرح نکال سکتے ہیں تو آپ نے جواب میں فرمایا ''خراب روحیں سوائے دعا اور روزہ کے کسی دوسری چیز سے نہیں نکل سکتیں۔''

خود عرب کے لوگ بھی جاہلیت کے زمانہ میں عاشورا کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ اس طرح جب سے انسان زمین میں آباد ہوا روزہ کی ابتدا بھی اس کے ساتھ ہی ساتھ ہوئی۔ اور ہر قوم اور ہر مذہب میں اس کا رواج رہا اور اس کو نفس کی صفائی اور تطہیر کے لئے ایک مؤثر ذریعہ سمجھا جاتا رہا مگر حقیقت یہی ہے کہ اس کی ابتدائی تعلیم پیغمبروں کو وحی الٰہی سے دی گئی جس کا سلسلہ نوع انسان کے باپ حضرت آدمؑ سے شروع ہوا اور پھر اب شریعت مصطفوی میں شامل ہو کر یہ سلسلہ قیامت تک رہے گا۔ اسلام میں روزہ کی بہت سی قسمیں ہیں کچھ فرض ہیں، کچھ نفل ہیں۔ ماہ رمضان المبارک کے روزے ہر بالغ و عاقل مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہیں جن کے تفصیلی احکام دینی کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں لیکن بہر حال اسلام میں روزہ کا مطلب صرف فاقہ نہیں اور صرف کھانے اور پینے کو ترک کردینا نہیں ہے بلکہ اس کی شرطیں اور احکام مقرر ہیں جن کو پورا کیے بغیر روزہ صحیح نہیں ہوتا۔

حدیث قدسی

حرام خوری کے ساتھ عمل خیر کرنے والا چھلنی میں پانی لے جانے والے کے مانند ہے۔ (عدۃ الداعی)